ہمارے معاشرے کی عورت اور اسلام

ڈاکٹر طاہرہ بشارت ○

ہر معاشرے میں عورت کئی روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے' اور ہر روپ میں وہ اپنا ایک کردار رکھتی ہے۔ معاشرہ مذہبی ہو یا سیکولر' طبقاتی ہو یا غیر طبقاتی' عورت کو ہر حال میں اپنا کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ نوع کے اعتبار سے اگرچہ مرد اور عورت یکساں حیثیت رکھتے ہیں مگر جنس کے اعتبار سے دونوں جدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ صنف نازک ہونے کے ناطے عورت کا دائرہ کار مرد سے الگ ہے۔ دور قدیم سے آج تک عورت کی اس حیثیت کا لحاظ کیا جاتا رہا ہے اور اس کو اس بنا پر خصوصی مقام و احترام اور مراعات حاصل رہی ہیں مگر معاشرتی بگاڑ کی وجہ سے عورت کی یہ کمزور حیثیت اس کے لیے وبال جان بھی بنتی رہی ہے۔ جس طرح ظالم سماج میں طاقت ور کمزوروں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہیں اور ظلم اور حق تلفی کا یہ سلسلہ اوپر سے نیچے تک ہر سطح پر سرایت کر جاتا ہے' اسی طرح عورت بھی اس ظلم کا نشانہ بنتی ہے۔ وہ اپنے حقوق سے محروم کر دی جاتی ہے اور اسے ہر قسم کے ظلم سہنے کے لیے زندہ رہنا پڑتا ہے۔ ایک طویل عرصہ اسی حالت میں گزارنے کی وجہ سے وہ اس صورت حال کو اپنا مقدر سمجھ لیتی ہے اور پھر یہ کیفیت اس کی فطرت بن جاتی ہے۔

بگڑے ہوئے معاشروں میں عورت پر ظلم کی یہ سیاہ رات ہمیشہ طاری نہیں رہتی بلکہ ہر دور میں ظلم و ناانصافی کے نظام کے خاتمے کے ساتھ ساتھ عورت کے حقوق کی بحالی کی جدوجہد بھی ہوتی رہتی ہے۔ حقوق کی یہ جدوجہد کبھی تو متوازن رہی مگر اکثر اوقات افراط و تفریط کا شکار ہوتی رہی ہے۔ عورت پر ظلم کا ایک دور آج سے ۱۴ سو برس قبل گزرا جب وہ مرد کے ہاتھوں کھلونا بن چکی تھی' جب اس کا کوئی حق نہ تھا' جب وہ حیوانوں کی طرح منڈیوں میں فروخت ہوتی تھی' جب اسے مویشیوں کی طرح گھروں سے بچوں سمیت ہانک کر اپنے قبضے میں کر لیا جاتا تھا' جب وہ جایداد کی طرح اولاد میں تقسیم ہوتی تھی'

○ اسسٹنٹ پروفیسر' ادارہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونی ورسٹی' لاہور

جب باپ اسے اپنے مالی مفادات کے تحفظ کی بھینٹ چڑھانے میں عار محسوس نہ کرتا تھا، جب مرد اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا تھا اور وہ مکمل طور پر مرد کے رحم و کرم پر زندگی کے دن کاٹنے پر مجبور تھی۔ ستم کی یہ تاریکی تب چھٹی اور حق کی ایک کرن اس وقت نمودار ہوئی جب عورت نے محمد عربیؐ کو اسلامی نظام کے علم بردار کی شکل میں اپنے حقوق کا محافظ و نگہبان پایا۔ اور اس معاشرے میں ظلم سہنے والی یہ کمزور مخلوق اپنے حقوق کی حفاظت اور اسلامی نظام عدل کے قیام کے لیے غاصبوں کے سامنے فولادی دیوار بن گئی۔

اسلامی معاشرے میں عورت کو زندہ رہ کر معاشرے کی تعمیر میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا حق دیا گیا۔ اس کے مقام کا تعین ہوا۔ اس کو ذات کی پہچان ملی۔ اس کی عصمت و عزت کو تحفظ ملا۔ اس کی مرضی کو اعتبار ملا۔ اسے مال میں ملک اور اس کے تصرف میں اختیار ملا۔ اس کے فرائض بھی تھے اور حقوق بھی۔ اور ان حقوق کی حفاظت کا انتظام صرف اخلاقی وعظ یا معاشرتی دباؤ ہی کی صورت میں نہ تھا بلکہ عدلیہ اور انتظامیہ کے ذریعے ان حقوق کے تحفظ کی باقاعدہ ضمانت مہیا کی گئی تھی۔

اسلام نے عورت کو ماں کا درجہ دیا تو جنت اس کے قدموں میں رکھ دی۔ بہن کا درجہ دیا تو شفقت و محبت اس کا حق ٹھیرایا۔ بیٹی کا روپ دیا تو وہ رحمت و مودت کی مستحق قرار پائی۔ بیوی کے روپ میں دیکھا تو اس کے بھی ویسے ہی حقوق مقرر فرمائے جیسے حقوق کی ادایگی کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے۔ معاشرے کو اس کے احترام، اس کی حفاظت اور اس کی شخصیت کی نشوونما میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔ لیکن پھر مرور ایام سے اسلامی معاشرے میں بھی بگاڑ پیدا ہوا اور اسلامی تعلیمات پس پشت ڈالی جانے لگیں، تو عورت کے حقوق بھی پامال ہونے لگے۔ مسلم معاشرے میں عورت کو پھر اس مقام کی طرف دھکیل دیا گیا اور بعض صورتوں میں اس مقام سے بھی نیچے گرا دیا گیا جس پر یہ آج سے ۱۴ سو برس قبل گری ہوئی تھی، اور جہاں سے ہمارے پیارے نبیؐ نے اسے اٹھا کر عزت، احترام، عظمت اور برابری کے اونچے مقام پر پہنچایا تھا۔

پھر پسی ہوئی عورت کے حقوق کی بحالی کی ایک تحریک مغرب سے اٹھی۔ یہ تحریک چونکہ انسانی کوششوں کا نتیجہ تھی اور ردعمل کے طور پر وجود میں آئی تھی، اس لیے اس کے نتیجے میں عورت کو جو مقام ملا وہ ردعمل کے اثرات سے پاک نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب میں حقوق کا پلڑا عورت کے حق میں جھک گیا اور بعض صورتوں میں عورت محروم حقوق ہی رہی۔ مرد و عورت کی مساوات کے نعرے نے عورت پر اس کی استطاعت سے بھی زیادہ بوجھ ڈال دیا جو اس کے ساتھ زیادتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں حقوق نسواں کی جو تحریک مغرب کے زیراثر پروان چڑھی، اس نے عورت کو ایسا بنانا چاہا جیسا کہ مغربی عورت ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے کی وابستگی اسلام کے ساتھ بڑی گہری ہے۔ اس لیے حقوق نسواں کی

مغربی تصورات پر مبنی تحریک بہت محدود سے حلقے میں ہی اپنا اثر ڈال سکی ہے، جب کہ دوسری طرف اسلامی حقوق کی علم بردار خواتین کی تنظیمیں ابھی تک تعداد میں بہت کم اور اثرات میں بڑی محدود ہیں۔ چنانچہ ہمارے معاشرے کی عورت استحصال کا شکار، اپنے مقام و مرتبے سے ناآشنا، ظلم سہنے کی عادی، مغربی تصورات کے مطابق آزادی اور اسلامی نظریات کے مطابق حقوق کے مطالبوں کے درمیان کی حالت میں ہے۔ دور حاضر میں اس کا عملی مقام یہیں کہیں بنتا ہے لیکن اس کا اصلی مقام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں پوشیدہ ہے جس کا ظاہر ہونا اس بات پر منحصر ہے کہ یہاں حقیقی اسلامی معاشرہ کب وجود میں آتا ہے۔ لہٰذا مسلم خواتین کو اپنے حقوق کے حصول کی ادھوری جدوجہد کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کے قیام کی بھرپور جدوجہد بھی کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے حقیقی مقام، متوازن حقوق اور عظمت و وقار سے مستفیض ہو سکیں۔

حقیقی اسلامی معاشرے میں عورت کے مقام و مرتبے کو وضاحت سے بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بارے میں دیگر مذاہب اور معاشروں کی سماجی اقدار کا تذکرہ بھی ہو جائے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ہر قوم اپنے دور عروج میں جو دراصل اس کا دور علم و عرفان ہوتا ہے، یقیناً روشن، متناسب اور معتدل نقطۂ نگاہ کی حامل ہوتی ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سوچ میں پستی، فکر میں جمود، خیالات میں تعصب اور نقطۂ نظر میں تنگی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ کسی قوم کی اس حالت کی انتہائی سطح دراصل اس کا زوال اور دور جہالت ہوتا ہے۔ اس اصول کا اطلاق اگر عورت کے بارے میں مذاہب اور معاشروں کے نقطۂ نظر پر کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ عورت کے مقام و حیثیت کے بارے میں درج ذیل بیانات دراصل ان مذاہب اور معاشروں کے دور زوال اور دور جمود کی پیداوار ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح اسلام نے اپنے دور اول و عروج میں عورت کو جس بلند مرتبے اور مقام کا مستحق قرار دیا، دور زوال میں مسلمانوں کی مقدس کتب میں ان کا تذکرہ ملتا ہے مگر مسلم معاشروں میں اس کو بالفعل دیکھنا چاہیں تو مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

عورت کے بارے میں دیگر مذاہب و معاشروں کے نقطہ ہاے نظر ملاحظہ فرمایئے:

یونان: یونانی عموماً عورت کو ایک کم درجے کی مخلوق سمجھتے ہیں۔

روم: مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جائز تھی--- جس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا اور شوہر کو پورا حق اس کی جان پر بھی حاصل تھا اور یہی حال یونان کا بھی تھا۔

ہندو قانون: تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ، ان میں سے کوئی چیز اتنی خراب نہیں جتنی عورت۔

مسیحی قانون: ایک ناگزیر برائی، ایک پیدایشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی جھگڑا، ایک غارت گر و دلربائی اور ایک آراستہ حقیقت۔

اطالوی قول: عورت اچھی ہو یا بری، اسے مار کی ضرورت ہے۔

اب ہم اسلام کی ان تعلیمات کا ذکر کریں گے جن میں عورت کے مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی مسلم معاشرے میں اس کی عملی حالت کا تذکرہ بھی کریں گے تاکہ موازنہ ہو سکے کہ اسلام عورت کے بارے میں کیا ہدایات دیتا ہے مگر مسلم معاشرے میں اسے کیا بنا کے رکھا گیا ہے۔

عورت انسان ہے: اسلام عورت کو مکمل انسان قرار دیتا ہے۔ اس نے جہاں بھی یاایھا الناس یا یا ایھا الذین امنوا کہہ کر خطاب کیا وہاں مرد اور عورت دونوں مراد لیے جاتے ہیں۔ پیدایش کے اعتبار سے بھی مرد اور عورت برابر ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا--- ذمہ داری کے اعتبار سے بھی مرد و عورت یکساں ہیں۔ قرآن حکیم کے نزدیک شیطان نے ان دونوں کو بہکایا، دونوں کو شجر ممنوعہ کا پھل کھلایا، پھر دونوں نے اللہ کے حضور توبہ کی۔ عمل کے بدلے میں بھی مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت وہ بدلے سے محروم نہ رہے گا۔ اسی طرح پابندی قانون میں بھی مرد و عورت میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داری میں بھی دونوں یکساں شریک ہیں۔

مرد و عورت میں اشتراک کے مندرجہ بالا تمام پہلو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت ایک مکمل شخصیت کی مالک ہے، ناقص العقل ہے اور نہ تابع مہمل۔ اس کی ذات کے لیے نشوونما اور اس کی شخصیت کے لیے اظہار کے مواقع اسی طرح حاصل ہونے چاہییں جس طرح مرد کو حاصل ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے میں عورت کو مکمل انسان سمجھنے کے بجائے جزوی انسان سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی ذات کے بہت سے گوشے اور پہلو اپنے اظہار سے محروم رہتے ہیں۔ عورت بھی اپنے جزوی کردار پر راضی ہو کر ادھوری شخصیت بن چکی ہے۔ اس کے اندر کی مکمل شخصیت خود اس پر بھی ظاہر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو مکمل انسان بنانے کے بجائے جزوی انسان بنے رہنے پر راضی رہتی ہے۔ وہ دبکی ہوئی، خوف زدہ اور زندگی کے محدود دائرے میں کردار ادا کرنے والی ذات بنی رہتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں مردوں کا عورتوں کے بارے میں مخصوص منفی نقطۂ نظر، آوارہ لڑکوں کا لڑکیوں کے پیچھے بھاگنا، انھیں ستانا، غلط نظروں سے دیکھنا جیسے قبیح افعال بھی معاشرے میں عورت کی حیثیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر عورت کو ایک صاحب الرائے، صاحب ارادہ و شعور ہستی، اور ایک ایسا مکمل انسان سمجھا جائے جس کی اپنی پسند و ناپسند ہوتی ہے، جو کسی چیز کو اختیار یا ترک کرنے کا حق رکھتی ہے، تو غلط

نگاہوں سے دیکھنے والا ہزار بار سوچے گا کہ جسے میں نگاہ غلط سے دیکھ رہا ہوں خود وہ میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی۔ ہمیں عورت کو اپنی ذات پر اعتماد دینا' اسے خوف سے نجات دلانا' اسے بہادر بنانا' اور اسے ہر قسم کے استحصال سے بچانا ہو گا۔ جبھی وہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے مطابق مکمل انسان کا کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے گی اور اس کی شخصیت کے دبے ہوئے گوشے ابھر کر سامنے آ سکیں گے۔

حق ملکیت و تصرف : ملکیت کے حق میں بھی مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: مردوں نے جو کمایا' اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے--- آمدنی کے لیے جدوجہد کرنے اور کوئی پیشہ اختیار کرنے کا حق جس طرح مرد کو ہے اسی طرح عورت کو بھی حاصل ہے۔ عہد نبویؐ میں عورتیں کھیتی باڑی میں حصہ لیتی تھیں' جانور چراتی تھیں' سلائی اور دوسرے پیشوں کے ذریعے بھی کماتی تھیں' نیز بیماروں اور زخمیوں کا علاج بھی کرتی تھیں۔ ہمارے معاشرے میں طبقہ خواص میں تو عورتیں بالکل کام نہیں کرتیں البتہ ان کے نام جایداد اور دیگر اموال وغیرہ ہوتے ہیں مگر ان میں تصرف کا حق انھیں شاذ ہی ملتا ہے۔ طبقہ خواص میں بہت قلیل سا گروہ ہو گا جس میں عورت کو حق ملکیت اور اپنی ملکیت میں تصرف کا اختیار بھی حاصل ہو۔ طبقہ غربا اور متوسط میں عورتیں تمام شعبوں میں بھرپور کام کرتی ہیں۔ اس طبقے کی عورت محنت مزدوری سے لے کر اعلیٰ عہدوں تک ہر جگہ اپنا خون پسینہ ایک کیے ہوئے نظر آتی ہے مگر المیہ دیکھیے کہ بیش تر صورتوں میں اسے اپنی ہی کمائی پر حق ملکیت حاصل ہے نہ حق تصرف۔

اس اعتبار سے ہمارے معاشرے کی عورت بہت مظلوم ہے۔ ایسا بھی عام ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں دن بھر کی ملازمت کے بعد بہ یک وقت گھر میں داخل ہوئے اور گھر آکر شوہر روایتی خاوند بن گیا اور عورت کو روایتی بیوی بن کر گھر بھی سنبھالنا پڑتا ہے' بچوں کی طرف بھی توجہ دینا پڑتی ہے' شوہر کی خدمت بجالانا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے' اور شوہر کے رشتے داروں کی خدمت بھی درجہ بدرجہ اس کے فرائض ٹھہرتے ہیں۔ ان تمام بوجھوں کے ساتھ وہ اپنے تمام فرائض تو ادا کرتی ہے لیکن روایتی معاشرے میں اس کے حقوق کی آواز کہیں سے سنائی نہیں دیتی۔ یہ سراسر غیر اسلامی روایت ہے جس میں مسلم معاشرے کی عورت بری طرح جکڑی ہوئی ہے۔

حق وراثت : اسلام نے عورت کو ورثے میں حق دار ٹھہرایا ہے۔ بیٹی ہونے کی حیثیت سے وہ بھائیوں کی شریک ہے۔ ماں کی حیثیت سے وہ باپ کے ساتھ شریک ہے اور شوہر کی وراثت میں بھی بیوی کا حصہ مقرر ہے۔ یہ حصے قرآن حکیم نے مقرر کیے ہیں۔ ان کا عورت سے چھیننا حدود الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔ حدود اللہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ نے وعید شدید سے ڈرایا ہے۔ وراثت میں عورت کے حقوق

کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ باپ کی وراثت کی تقسیم کے لیے لڑکی کے حصے کو بنیادی اکائی کا درجہ حاصل ہے۔ مگر ہمارے معاشرے میں عورت وراثت سے محروم ہے۔ عورت مالک نہیں بلکہ ملک سمجھی جاتی ہے۔ اسے مالک بننے سے محروم کرنا ہمارے معاشرے کا ایک اور ظلم ہے۔

معاشرتی قدر و منزلت اور وقار: معاشرتی قدر و منزلت اور عزت و وقار میں بھی عورت و مرد یکساں ہیں۔ سورۃ الحجرات میں تحفظ ناموس مرد و زن کے سلسلے میں ارشاد ربانی ہے کہ نہ مرد مردوں کا مذاق اڑائیں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ خاص طور پر عورت کی عزت کا تحفظ اسلامی معاشرے پر بطور خاص لازم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ قائم فرمایا تھا اس کی ایک خصوصیت یہ بیان فرمائی تھی کہ اکیلی عورت اپنے تمام زیورات سمیت حضرموت سے یمن تک سونا اچھالتی ہوئی سفر کرے گی، اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس معیار کی جلوہ نمائی دیکھنا چاہیں تو سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

ایران و پاکستان میں عورتوں کے سلوک کا موازنہ کرتے ہوئے **لوح ایام** کا مصنف لکھتا ہے: یہاں (ایران میں) ہر روز ہزاروں عورتیں جلوس میں شامل ہوتی ہیں۔ غنڈہ گردی کرنے والے اور آوازیں کسنے والے نہ جانے کہاں گم ہو جاتے ہیں۔ انھیں ایرانی عورتوں کے دستے کے قریب کہیں دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ادھر ہمارے گھر کی حالت یہ ہے کہ ۱۴ اگست کو جو گھرانے برقی قمقموں کی آرایش دیکھنے کے لیے باہر نکلتے ہیں، انھیں معاشرے کے تاریک ترین پہلو کا بھی نظارہ کرنا پڑتا ہے۔

ہمارے معاشرے کا تاریک ترین پہلو یہ بھی ہے کہ لڑکی کے گھر سے نکلنے کے ساتھ ہی والدین کی پریشانی شروع ہو جاتی ہے اور جب تک وہ بخیریت گھر واپس نہ پہنچ جائے، یہ پریشانی بڑھتی ہی رہتی ہے۔ ہمارے معاشرے کی یہ حالت اور اس میں عورت کے لیے خطرات قطعاً اسلامی تعلیم کے مطابق نہیں ہیں۔ عورت کے ساتھ اس نازیبا سلوک کی وجہ ہی سے کہا جاتا ہے کہ شریف عورتوں کو گھر میں ہی رہنا چاہیے۔ چنانچہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا معیوب قرار پایا اور آوارہ گردوں کو معاشرے کے لاشعور نے ایک قسم کا الاؤنس یہ کہہ کر دے دیا کہ عورتوں کا کیا کام کہ وہ گھر سے باہر پھریں۔ اس کے لیے قرآن حکیم کی ایک آیت کے ایک حصہ سے دلیل بھی نکال لی گئی حالانکہ اس آیت میں جاہلیت کی زیب و زینت کے اظہار کے ساتھ گھروں سے نکلنے سے روکا گیا ہے۔ جہاں تک جائز ضروریات کے لیے گھروں سے نکلنے کا تعلق ہے اس کی نہ صرف اسلام کے نزدیک اجازت ہے، بلکہ بعض موقعوں پر حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ لہٰذا معاشرے کا فرض ہے کہ وہ آوارہ گردوں کو نکیل ڈالے، ان سے عورت کو تحفظ مہیا کرے، اور ایسے

اقدامات کرے جس سے عورت بے خوف و خطر اپنے فرائض منصبی ادا کر سکے۔ البتہ عورت پر اسلام کے حجاب کے احکام کی پابندی لازمی ہے۔

حق مہر : مہر وہ معاوضہ ہے جو عورت اپنی آزادی کے عوض نقد یا جنس کی صورت میں مرد سے وصول کرتی ہے۔ یہ مال خالصتاً عورت کا حق ہے۔ اسے عورت ہی کی ملکیت میں رہنا چاہیے۔ وہ اس مال میں تصرف کی مختار ہے۔ کسی کو اس کے اس حق میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں۔ مہر عورت کا ایسا حق ہے جو اس میں خود اعتمادی اور عزت نفس پیدا کرتا ہے۔ اس کی مقدار کا تعین مرد کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے جو وہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ تب جا کر وہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ مالی بوجھ کے بدلے عورت کا بہ حیثیت بیوی حصول مرد پر یہ بات واضح کرتا ہے کہ **عورت نہایت قیمتی متاع ہے۔** وہ قابل قدر ہستی ہے۔ اس کی حفاظت' اس کا احترام' اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی اسے حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ اس طرح مشکل سے حاصل ہونے والی اپنی بیوی کی وہ قدر بھی کرے اور اس کا ہر لحاظ سے خیال بھی رکھے۔ وہ اپنی بیوی کے لیے حق طلاق استعمال کرتے ہوئے سوچے کہ وہ اس کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے بعد دوسری بیوی حاصل بھی کر پائے گا یا نہیں۔

ہمارے معاشرے میں عورت کے اس اہم حق کو محض برائے نام چیز بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ایک تو رقم معمولی' دوسرے اسے بھی معاف کر دینے کی غیر تحریری پابندی۔ مہر کی رقم وصول کرنا عورت کے لیے عیب بنا دیا گیا ہے۔ گویا یہاں مرد ہی کے حقوق ہیں۔ عورت بے چاری تو محض باندی ہے۔ اسے ہر حال میں اپنے شوہر کو خوش رکھنا ہے اور اس کی اور اس کے گھر والوں کی خدمت کرنی ہے۔ حقوق کے بغیر فرائض کی ادائیگی کا یہ تصور بالکل غیر اسلامی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ عورتوں کے بھی اسی طرح حقوق ہیں جس طرح ان کے فرائض ہیں۔ حق مہر ان حقوق میں سے ایک اہم حق ہے۔

شوہر کے انتخاب کا اختیار اور حق خلع : اسلام کے مطابق نکاح کے دو جزو ہیں۔ ایک' عورت کے درمیان ایجاب و قبول۔ دوسرے' گواہوں کی موجودگی۔ ارکان نکاح کے ان دونوں اجزا پر غور کریں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عورت اور مرد کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس میں ولی کی رضامندی شرط ہے۔ لیکن ولی کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ عورت کو اس کی مرضی کے خلاف جس کے ساتھ چاہے رشتہ نکاح میں باندھ دے۔ صرف باپ کو اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ تاہم اگر لڑکی کو وہ نکاح ناپسند ہو تو وہ اس نکاح کو منسوخ کرا سکتی ہے۔

ہمارے معاشرے کی صورت حال اس تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں ایجاب و قبول رسماً تو لڑکے اور لڑکی کے درمیان ہی ہوتا ہے مگر اصلاً وہ لڑکی کے ولی اور لڑکے کے درمیان ہوتا ہے۔ لڑکی سے محض

خانہ پری کے لیے بہ وقت نکاح رضامندی طلب کی جاتی ہے۔ بعض اوقات لڑکی کے خاندان والے اس پر اپنی مرضی مسلط کر دیتے ہیں۔ وہ دھونس، دھاندلی یا ترغیب و ترہیب سمیت تمام ذرائع کو کام میں لا کر لڑکی کو اپنی مرضی کے فرد سے نکاح کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ اس کا کوئی خیال نہیں کرتے کہ جس معصوم نے ایک غیر مرد کے ساتھ زندگی کا طویل سفر طے کرنا ہے، خود اس کی رائے اس کٹھن سفر اور اپنے ہم سفر کے بارے میں کیا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ ہم لڑکی کو جس شخص کے ساتھ ساری زندگی کے سفر پر روانہ کر رہے ہیں، آیا وہ خود بھی اس شخص کے ساتھ دو قدم چلنے پر آمادہ ہے۔ ہمارے معاشرے کی عورت اس ظلم اور حق تلفی کا شکار ہے اور پھر بھی ہمیں یہ غلط فہمی ہے کہ ہم عورت کے باب میں اسلام کی سنہری تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔

حجاب: جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، اسلام کے نزدیک عورت ایک مکمل انسان ہے کہ وہ نوع کے اعتبار سے برابر مگر جنس کے اعتبار سے مختلف ہے۔ حجاب عورت کا حق بھی ہے اور فرض بھی۔ حق اس طرح کہ کسی معاشرے یا فرد کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ عورت کو بے حجاب ہونے پر مجبور کرے، اور فرض اس طرح کہ عورت اپنے جسم کی نمایش نہ کرتی پھرے۔ اپنی حفاظت کرنا اور اپنے آپ کو حجاب میں رکھنا عورت کے لیے باعث عزت و شرف ہے۔ پردہ شرافت کی علامت ہے۔ یہ معاشرے میں عورت کے بھرپور کردار کی راہ میں ذرا بھی رکاوٹ نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو پردے کو اپنے تعمیری کردار کی راہ میں رکاوٹ سمجھنا چاہیے اور نہ رکاوٹ بننے دینا چاہیے۔ حالات کی تبدیلی سے اب عورت کو پہلے سے زیادہ عملی کردار ادا کرنے کے مواقع مل رہے ہیں۔ لہٰذا مسلم عورت کو اپنی سیرت و کردار سے یہ بات ثابت کرنا چاہیے کہ اسلام کے احکام اس کے بھرپور کردار میں معاون ہیں، رکاوٹ نہیں۔

ہمارے معاشرے میں پردے کی عملی شکلیں بھی متعدد ہیں۔ عام طور پر خواتین ان احکام کا خیال رکھتی ہیں اور پابندی کی کوشش کرتی ہیں۔ ایک قلیل سا طبقہ ہے جس کی عورتیں بے حجابانہ گھومتی ہیں یا پھر شوبزنس سے تعلق رکھنے والی اداکارائیں اسلامی احکام حجاب کی سخت خلاف ورزی کی مرتکب ہوتی ہیں جو معاشرے میں اخلاقی بے راہ روی پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

یہ اس مقام بلند کی چند جھلکیاں ہیں جو اسلام نے عورت کو دیا ہے مگر دور زوال میں مسلم معاشرے میں عورت کو اس مقام سے نیچے گرا دیا گیا ہے۔ اب اونچائی پر کھڑا ہوا مرد، عورت کو یقین دلائے چلا جا رہا ہے کہ تیرا اصلی مقام یہی ہے جہاں تو اب ہے۔ عورت کے اندر کی روح جو مرد کی روح کی طرح بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز ہونے کو بے قرار ہے، بلندی کی طرف اٹھنا چاہتی ہے مگر وہ اپنے لیے پرواز کے راستے بند یا محدود پاتی ہے۔

اب ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ عورت معاشرے میں اپنا حقیقی مقام کیسے حاصل کرے؟

اس مقام کے حصول کے لیے سب سے بڑی ضرورت اسلامی تعلیمات کے گہرے شعور کی ہے۔ حصول حقوق کی کش مکش شاید اتنی ہی قدیم ہے جتنی یہ دنیا۔ انسان کی سرشت میں عدل کے ساتھ ساتھ حق تلفی کا عنصر بھی موجود ہے۔ وہ عدل تو اپنے لیے چاہتا ہے مگر حق تلفی دوسروں کی کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہر دور میں طاقت ور افراد یا اقوام اس ضابطے پر عمل کرتے ہوئے کمزوروں کو دباتے رہتے ہیں۔ معاشرے کا ہر طاقت ور اپنے سے کمزور کے کندھے پر سوار ہو کر اپنا قد بڑھاتا ہے اور معاشرے کے ہر کمزور کو اپنے بوجھ کے ساتھ ساتھ اپنے سے اوپر والوں کے بوجھ کو بھی اپنے کندھوں پر سہارنا پڑتا ہے۔ نتیجتاً ظلم و ناانصافی پر مبنی معاشروں میں سب سے زیادہ بوجھ اس کے سب سے کمزور طبقات پر آن پڑتا ہے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے چونکہ عورت معاشرے کی کمزور ترین فرد ہے لہٰذا عورت پر سب سے زیادہ بوجھ پڑتا ہے اور وہ مظلوم ترین ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی قانون قدرت ہے کہ اس کائنات میں ظلم کو قرار حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا مظلوم اپنے حقوق کی خاطر اٹھتے ہیں مگر کامیابی کے بعد دوسری انتہا کی طرف لڑھک جاتے ہیں۔ اس طرح انسانی معاشروں کا افراط و تفریط کا شکار ہو کر کبھی ادھر اور کبھی ادھر چلنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ انسانی جدوجہد میں نقطۂ اعتدال اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک اس میں "اللہ" کو داخل نہ کیا جائے۔ جب انسانی جدوجہد تعلیمات خداوندی کے مطابق ہو تو انسانیت کا سفر خالصتاً صراط مستقیم پر ہو گا۔ چنانچہ عورت کے حقوق کی سعی بھی اسلام کے صراط مستقیم پر چلتے ہوئے ہی منزل مقصود سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔

عورت کے حقوق کی جدوجہد معاشرے کے ان طبقوں کو منفی طور پر متاثر کرے گی جن کے مفادات عورت کی موجودہ پستیوں کا ثمر ہیں۔ بعض لوگوں کی سوچ جامد ہو جاتی ہے وہ کسی بھی قسم کی تبدیلی کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ بعض کے خود ساختہ اعتقادات انھیں عورت کے نئے مقام کے بارے میں متوحش کر دیتے ہیں۔ اس صورت حال میں، عورت کو اپنے مقام کے حصول کے لیے اپنوں ہی کی طرف سے مخالفتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا آج کی عورت کو اپنا حقیقی مقام پانے کے لیے حالات کا مقابلہ کرنے کا عزم صمیم لے کر نکلنا ہو گا۔

اب ہم مختصر طور پر اس مشکل راستے کے لیے زاد راہ کی نشان دہی کریں گے جسے ساتھ لے کر عورت کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں آسانی رہے گی۔ سب سے پہلی بات اسلام کا فہم ہے تاکہ اسے معلوم ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیم میں اس کا حقیقی مقام کیا ہے، اور اسے کن حقوق سے بہرہ ور کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ اس مضمون میں بیان کردہ عورت کے حقوق کسی فرد یا ادارے کے عطا کردہ نہیں بلکہ خالق کائنات کے مقرر کردہ ہیں۔ اللہ کا عطا کردہ مقام اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے عورت کے

حقوق' اس کے لیے اللہ کی عنایت اور رحمت ہیں۔ ان میں تبدیلی یا ان میں سے بعض سے عورت کو محروم کرنا' کسی ادارے' حکومت' طبقے یا قوم کے لیے قطعاً جائز نہیں ہے۔ ان حقوق پر غاصبانہ قبضہ کر کے عورت کو ان سے محروم کرنا حرام ہے۔ فعل حرام کے مرتکبین کا راہ راست اختیار کرنا مذہباً' قانوناً اور اخلاقاً ہر لحاظ سے لازم ہے۔ چنانچہ عورت اسلامی تعلیمات کی تفصیلات سے مسلح ہو کر' اور قرآن و حدیث سے گہری واقفیت حاصل کر کے اپنے مقام کے تحفظ اور اپنے حقوق کے حصول کی جنگ بہتر طور پر لڑ بھی سکتی ہے اور جیت بھی سکتی ہے۔

اسلامی علوم کی گہری واقفیت کے بعد اس جدوجہد میں شریک خواتین کا دوسرا وصف اعلیٰ سیرت و کردار کا حامل ہے۔ وہ سراپا اخلاق ہوں۔ وہ ایثار کا پیکر ہوں۔ ان کی سوچ اصولی اور عمل میں حسن ہو۔ وہ پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اوصاف سے متصف ہوں تاکہ کوئی بھی ان پر حرف گیری نہ کر سکے۔

تیسری بات یہ کہ عورت کو علم ہونا چاہیے کہ تبدیلی کا یہ عمل طویل عرصے پر محیط ہوتا ہے۔ اس کے لیے استقامت چاہیے' اپنے نظریات کی صداقت پر یقین چاہیے' اور جہد مسلسل کا عزم چاہیے۔ مایوسی اس راستے کا ایسا بھاری پتھر ہے جس کو چوم کر بڑے بڑے اپنا راستہ بدل دیتے ہیں۔ اس پتھر کو راستے سے عزم راسخ کے ذریعے ہٹایا جا سکتا ہے۔ اس طویل جدوجہد میں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ' نسلوں کے ذہن بدلنے کی ضرورت ہے جس کا آغاز گھر سے ہوتا ہے اور معاشرے تک وسیع ہو جاتا ہے۔

عورت اپنی جدوجہد کے ذریعے اپنا حقیقی مقام نہیں پا سکتی جب تک ایک صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں نہیں آتا۔ صحیح اسلامی معاشرہ صحیح الفکر اسلامی قیادت اور بہت بڑی تعداد میں اسلامی کردار کے حامل عوام کے ذریعے ہی قائم ہو سکتا ہے۔ قیادت کی یہ خوبی ہونا چاہیے کہ اسلامی نظام عدل کا قیام ان کے لیے زبان کے شغل کے بجائے' ایمان کا مسئلہ ہو۔

آج کی عورت کو عورتوں میں ان کے حقوق کا شعور پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ایسی نسل تیار کرنے پر بھی بھرپور توجہ دینا چاہیے جو اسلام کو اپنے مقصد حیات کے طور پر قبول کرے اور اسلامی نظام عدل کے قیام کو اپنی زندگی کا واحد مقصد ٹھہرائے۔ اس اہم خدمت کو سرانجام دینے سے ان کی غرض اللہ کی رضا کے حصول اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

اس رسالے میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کی کوئی ذمہ داری ماہنامہ ترجمان القرآن کی انتظامیہ کی نہیں ہے۔ (ادارہ)